مکالمہ بین المذاہب شرائط، مقاصد، اقسام اور رکاوٹیں

ڈاکٹر محبوب علی شاہ*
ڈاکٹر محمد شاہد حبیب**

ABSTRACT

Now the whole world is the global village. The science has brought revolution in every field of life. Man has made a lot of things for his comforts, discomforts, reliefs and destruction. Now the time has come for us to take evolutionary steps to save us from giant's destruction, terrorism, extremism, intolerance and unrest which are the machinations of complete annihilation over the earth, which needs cosmopolitanism on our part

For this purpose, dialogue can play a vital role. People belongs to different civilizations, cultures , societies , nations and religions can sit around the table beings humans and can solve religious , political , geo political and economical problems by enhancing mutuality and common understanding.

Dialogical aim should be to avoid clash of civilizations and peace for everyone. Terrorism and extremism should be stopped and we should promulgate coexistence and peace for whole human community. Purpose should be to serve the humanity. We should promote love, peace, respect for the other religions; serve humanity create equality and equity among human beings. This should be safety of present and coming generation. We should pay our role as super creature and thinking creature; super. The barriers which come across while promulgating cosmopolitanism and expatriation is seemed to be

* ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ، پنجاب گورنمنٹ
** اسسٹنٹ پروفیسر، خواجہ غلام فرید یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ انفارمیشن ٹیکنالوجی، رحیم یار خان

is the double standard of the west , that promotes colonialism , terrorism , extremism and economical support of missionaries and these things are the real problems for those human beings who take serious trenchant and serious efforts to achieve dialogical goals cannot achieve it. The role western media plays; is not supportive to this nation. Western world especially American should use her hegemony to make world worth living and worth seeing to the coming generation.

Keywords: عقائد، مذہبی و نظریاتی، سنجیدہ، مکالمہ بین المذاہب

تعارف اور تاریخی پس منظر

مکالمہ لوگوں کا آپس میں رابطے کا نام ہے۔ایک دوسرے کی عزت و وقار کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے ایک دوسرے کا موقف سنا جائے۔غالب گمان ہے کہ گفتگو میں اختلاف بھی ہو گا، نظریات میں ٹکراو بھی آئے گا۔ہر قسم کے اختلاف کو بالائے طاق رکھتے ہوئے دوستانہ ماحول میں گفتگو کرنی ہے۔کسی پر دباو نہیں ڈالنا کہ وہ اپنے مذہب اور نظریے کو چھوڑ دے بلکہ حل طلب مسائل پر گفتگو کرنی ہے۔

مکالمہ بین المذاہب بذاتِ خود کوئی مقصد نہیں کہ جس کے لیے جدوجہد کی جائے بلکہ مکالمہ ان احساسات اور تاثرات کو ابھارنے کا ذریعہ ہے جن کی بنیاد پر عقائد و نظریات کے اختلاف کے باوجود باہمی رشتوں کی بنیاد رکھی جاسکے تاکہ مل جل کر ایک دوسرے کی فلاح و بہبود اور اجتماعی سطح پر معاشرے کی ترقی اور خوش حالی کے لیے راہ ہموار کی جا سکے، انسانیت کے دکھ درد بانٹے جاسکیں، مذہبی اور نظریاتی اختلاف کو بالائے طاق رکھ کر مساوات، برداشت اور انسانی ہمدردی کا جذبہ لے کر گفتگو کی میز پر بیٹھا جائے تو مسائل کا حل نکل آتا ہے۔

قرآنِ کریم میں بھی اس طرف توجہ مبذول کرائی گئی ہے۔جھگڑوں سے بچا جائے، سخت لہجہ نہ اپنایا جائے، نرم اور دھیمے انداز میں گفتگو کی جائے۔

﴿وَلَا تُجَادِلُوٓا اَهْلَ الْكِتَابِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾[1]

"اور اہل کتاب سے جھگڑا نہ کرو مگر اس طریقے کے نہایت اچھا ہو"

[1] ۔ العنکوت 29:46

یعنی اچھے انداز میں گفتگو کی تاکید کی گئی ہے اور اہل کتاب کو دعوت دی گئی ہے کہ جو مشترک باتیں ہیں ان کو بنیاد بنا کر گفتگو کی جائے۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿قُلْ يَآ اَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ﴾ [1]

"کہ دو کہ اے اہل کتاب جو بات ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں تسلیم کی گئی ہے اس کی طرف آؤ۔"

قرآنِ حکیم دوسرے مذاہب کے لوگوں سے مکالمہ، گفتگو سے منع نہیں کرتا بلکہ مثبت تعلقات کی تعمیر کی دعوت دیتا ہے۔ پیغمبر اسلام ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے مطالعہ سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے دیگر اقوام سے تعلقات استوار کرنے کے لیے معاہدات کیے، خطوط لکھے، سفراء روانہ کیے۔ بین الاقوامی سطح پر تعلقات قائم کرنے کے لیے آپ ﷺ نے کئی اقدامات کیے۔ ابتداء ہی سے آپ ﷺ کا مزاج ہی یہ تھا کہ لوگوں کو آپس میں جوڑا جائے۔ اعلانِ نبوت سے قبل بھی آپؐ کے اقدامات لوگوں کو آپس میں قریب لانے والے تھے۔ حلف الفضول کا موقع ہو یا تعمیرِ کعبہ کے وقت حجرِ اسود کا معاملہ، ہر موقع پر آپ ﷺ نے پر امن طریقے کا ہی انتخاب فرمایا۔ اعلانِ نبوت کے بعد صلح حدیبیہ (4 ھجری) اور میثاقِ مدینہ (ہجرت کے پہلے سال) آپ ﷺ کے وہ کارہائے نمایاں ہیں جنکو امن کے قیام کے حوالے سے رہتی دنیا تک مثال مانا جائے گا۔ وفد نجران کے ساتھ آپؐ کا معاہدہ مکالماتی حوالے سے اپنی مثال آپ ہے۔

پوپ جان پال اپنی کتاب Threshold of Dialogue میں لکھتا ہے کہ:

"ایک عام مسلمان تمام تر دنیاوی سستی و کاہلی کے باوجود خدا کی انتہائی لگن اور بہترین انداز میں عبادت کرتے ہیں۔ اس موقع پر وہ عیسائیوں کو یاد دلاتا ہے کہ انھیں مسلمانوں کی اپنے دین سے لگن کے طرزِ عمل کو اعلیٰ مثال سمجھتے ہوئے اپنے دین کی پیروی کرنی چاہیے۔[2]"

مکالمہ کی ضرورت، اہمیت، افادیت اور مقاصد کے حوالے سے دوسری ویٹکن کونسل کا اعلامیہ نہایت اہمیت کا حامل ہے اس پر پروفیسر خورشید احمد کے تجزیے کو ڈاکٹر عطاء اللہ صدیقی اس انداز میں بیان کرتے ہیں۔

---

[1] ۔ آل عمران 3: 46

[2] ۔ Alphonce, Aliunal. (2000). "Advocate of Dialogue", Williame, Fountain Virginia USA, P. 246.

(WCC)کے اقدامات کو مکالم بین المذاہب "چرچ کا اقدام خاص طور پر دوسری ویٹکن کونسل اور اس کے بعد ورلڈ کونسل آف چرچ کے حوالے سے پروفیسر خورشید احمد حوصلہ افزاء قرار دیتے ہیں۔ وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ورلڈ کونسل آف چرچ نے بہت اچھا آغاز کیا ہے۔ دوسری ویٹکن کونسل کی یہ اپیل کہ "ماضی کو بھلا دو کا حوالہ دیتے ہوئے پروفیسر خورشید احمد لکھتے ہیں کہ جو پیغام میں نے کونسل کے اعلامیے سے حاصل کیا اور جس پر میں بھی پر یقین ہوں وہ یہ کہ ماضی کو کریدنا نہیں چاہئے کیونکہ ماضی میں بہت کچھ اچھا ہوگا اور کچھ باتیں پریشان کن اور شکوک و شبہات ہوتے ہیں۔ لہٰذا ماضی سے سبق سیکھ کر ہی حال اور مستقبل کو مضبوط بنایا جاسکتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ گزشتہ چالیس سالوں میں چرچ نے مکالمہ کے لیے بہت اچھے اقدامات اور تجربات کیے جو مثبت کوشش ہے۔ وہ کہتے ہیں مکالمہ کے لیے مسائل کے حل پہنچنے کے لیے چار دہایاں کوئی زیادہ وقت نہیں۔ (1)

مکالمہ بین المذاہب عصر حاضر کی علمی دنیا کا ایک نمایاں موضوع بن گیا ہے۔ دنیا بھر میں انفرادی اور اجتماعی طور پر کوششیں کی جارہی ہیں۔ کئی تنظیمیں سرگرم عمل ہیں۔ دنیا کی مختلف جامعات میں اس موضع پر تحقیقی مقالات لکھے جارہے ہیں۔ سیمیناز اور کانفرنسز کا انعقاد ہو رہا ہے۔ مغرب میں اس موضوع پر بہت کام کیا جاچکا ہے۔ بین المذاہب مکالمہ کے حوالہ سے یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہئے کہ خدانخواستہ یہ تمام مذاہب کا ایک ملغوبہ تیار کیا جارہا ہے اور دینِ وحدت کی کوشش کی جارہی ہے۔ ایسا سوچا بھی نہیں جاسکتا۔

جب مکالمہ بین المذاہب کی بات ہوتی ہے تو اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ دنیا میں مختلف مذاہب موجود ہیں۔ کسی مذہب کے وجود کا انکار نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی کسی مذہب کے پیروکار کو زبردستی پھیرا جاسکتا ہے۔ دنیا کو امن کا گہوارہ بنانے کے لیے تمام مذاہب کے لوگوں پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ تحمل، برداشت، رواداری کے اصولوں پر عمل پیرا ہو کر مکالمہ اور سنجیدہ گفتگو کو فروغ دیں تاکہ دنیا میں امن کی فضا پیدا ہو۔ دنیا کے تمام مذاہب ظلم و ستم کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ ایران کے مجوسی ہوں یا ہندستان کے برہمن رام کرشن کے پیروکار، گوتم بدھ کے ماننے والے ہوں یا موسیؑ کے نام لیوا، عیسیٰؑ کے تابعدار ہوں یا پیغمبر اسلام ﷺ کے پیروکار تمام لوگ ظلم و ستم اور ناانصافی کو پسند نہیں کرتے۔ جب خالق کائنات سب کو برداشت کرتا ہے، رزق دیتا ہے، علم دیتا ہے تو پھر ہم کون ہوتے ہیں انہیں برداشت نہ کرنے والے۔ خالق چاہتا تو تمام دنیا کے انسانوں کو ایک جیسا بنا دیتا، اس نے سب کو مختلف پیدا کیا۔ وہ میرا بھی خالق ہے اور اس کا بھی جو کسی اور طرح سے اس کو تسلیم کرتا ہے۔

[1]Siddique, Ataullah. (1997). Christian Muslim Dialogue in the Twentieth Century, ST MARTINS Press, INC NEWYORK, PP. 129-130.

لیکن جب خالق سب کو تسلیم کرتا ہے تو ہمیں یہ حق نہیں کہ ہم سب کو ختم کرنے والے بن جائیں۔ ہمسب کو مل کر اس دنیا کی حفاظت کرنی ہے۔ دورِ جدید میں دنیا ایک گلوبل ولیج بن چکی ہے۔ سائنسی ترقی کی بدولت انسانی سہولت کے لیے بے پناہ ایجادات ہو چکی ہیں۔ وہیں اپنی تباہی کے لیے خطرناک ایٹمی اور کیمیائی ہتھار بنا لیے گیے ہیں جو آن واحد میں پوری انسانیت کا خاتمہ کر سکتے ہیں۔ ہمیں ان حالات سے محفوظ رہنے کے لیے ایک دوسرے کا احترام کرنے کی ضرورت ہے تا کہ انسانیت محفوظ رہے اور اس کے لیے مکالمہ بین المذاہب اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔

مکالمہ بین المذاہب کے مقاصد

مکالمہ بین المذاہب کا مقصد عقائد میں اختلافات پر بحث کرنا نہیں، نہ دوسروں کو اپنے مذہب کی طرف مائل کرنا ہے اور نہ ہی اس کا مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ کون سا مذہب سچا ہے بلک اس کا مقصد باہمی شراکت کے ذریعے روحانی ترقی اور خدا کی بادشاہی کے قیام اور فروغ لیے قدم سے قدم ملا کر چلنا ہے۔ بنیادی انسانی حقوق، ترقیاتی منصوبوں پر معاونت، معاشی اور سیاسی استحکام کے لیے مل کر کام کرنا، باہمی رفاقت، عزت واحترام اور رمفاہمت کے لیے کوشش کرنا، دوسروں کی ثقافت اور اقدار کی قدردانی، پیار و محبت، معافی، رواداری، برابری، شراکت، امن وانصاف اور ہم اہنگی کے لیے مل جل کر کام کرنا ہے۔

> "The aims of true Dialogue are not to give Sermon, not to debate, not to accuse and defend and not to evangelize but to understand each other and to have a clear understanding of the faiths of the others"[1].

> "مکالمہ بین المذاہب کا مقصد سماج میں ہم اہنگی پیدا کرنا ہو مقامی اور عالمی سطح پر سیاسی برتری پیدا کرنا نہ ہو۔ اس کا مقصد انسانی حقوق کا دفاع اور امن عالم کا قیام ہو۔ مکالمہ بین المذاہب کے ذریعے کسی بھی مذہب کو کسی دوسرے مذہب پر غالب کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے اور کسی بھی مذہب، برادری اور قوم کے لوگوں کے ساتھ امتیازی سلوک نہ کیا جائے۔ عالمی سطح پر دیکھا جائے تو مغربی اقوام کا ایجنڈا بات کا اظہار کرتا ہے کہ سیاسی برتری حاصل کی جائے، کمزور عوام کو

---

[1]-Mustafa Kaylue. Possibilities and Conditions for the Christian Muslim Dialogue: A Muslim perspective, Encounter Journal of Intercultural Perspective. Vol. 5, No 2 Sep 1999. 182

مزید دباو میں نہ لایا جائے۔"

مکالمہ بین المذاہب کے مقاصد کے حوالے سے مائیکل نذیر لکھتا ہے۔

"For Christians, Dialogue will always be about listening and learning, our partner faith may expect on our own. We must however also be committed to let the light of Christ, shine through our conservation and reflection without that Dialogue remains unfulfilled for the Christians.(1)

"دنیا میں اس وقت تک امن کا قیام ممکن نہیں جب تک مذاہب کے درمیان امن قائم نہیں ہو گا۔ ایک دوسرے کو برداشت کرنے کا حوصلہ، مذہبی شعار کا احترام اور عبادت گاہوں کا احترام نہیں ہو گا۔ جب خالق کائنات نے لوگوں کو مختلف رنگ و نسل، سوچ اور عقائد دیے تو یہ اختلاف تو رہیں گے۔ ان تمام باتوں سے بالائے طاق ہو کر دنیا میں پر امن فضا پیدا کرنا مکالمہ کا اولین مقصد ہے۔"

مکالمہ بین المذاہب کے مقاصد بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ ڈاکٹر عطاء اللہ صدیقی کہتے ہیں:

"The Reality is that the differences of religions are the plan of God and it is going to remain so for ever the human burden is to connect with the other and with respect" (2)

بین المذاہب عالمی اتحاد، یگانگت و ہم آہنگی، کائناتی امن، رواداری، افہام و تفہیم اور مفاہمت و مصالحت، عقیدہ توحید اور دیگر مشترک اقدار بین المذاہب مکالمہ کے ذریعے حاصل ہو سکتا ہے دنیا کو امن کا گہوارہ بنانے کے لیے ضروری ہے کہ مثبت مکالمات کے ذریعے تکثیری معاشروں میں اجتماعی عدل کا قیام ممکن ہو سکتا ہے۔ دیگر مذاہب اور مکتبہ ہائے فکر کے لوگوں کے بارے میں صحیح فہم اور اظہارِ پسندیدگی اس وقت ترویج پا سکتی ہے جب ان کے عقیدہ اور فلسفہ کے بارے میں صحیح علم اور آگاہی ہو۔ ایسا مکالمہ بین المذاہب سے ممکن ہے۔ ہر قسم کا تشدد اور دہشت گردی اس وقت تک ختم نہیں ہو سکتی جب تک ہر قسم کی ناانصافی کا خاتمہ نہیں ہو جاتا۔ مکالمہ بین المذاہب سے عالمی دہشت گردی کا خاتمہ ممکن ہے۔ دوسروں کی عزت کرنا اس بات کا تقاضا کرتی ہے

1-Ali Nazir, Michael. (1991). "Mission and Dialogue", London Society for Promoting Christian Knowledge (SPCK), P. 83.

2- See, Siddique, Ataullah, www.Mine.org.uk the purpose of interfaith dialogue.

کہ دوسروں کی ثقافت و تاریخ، رہن سہن اور دیگر عوامل کے بارے میں علم ہو یہی وجہ ہے کہ اسلام جو کہ امن و سلامتی کا مذہب ہے سمجھے بغیر دہشت گردی کو اسلام کے ساتھ منسوب کر دیا گیا ہے۔ تاریخی تناظر میں دیکھا جائے تو دہشت گردی کا تعلق کسی خاص مذہب کے ساتھ نہیں حقیقت میں یہ عمل اداروں، حکومتوں یا پھر انتہا پسند سوچ رکھنے والے لوگوں کی کارستانی ہو سکتی ہے۔ مسلمانوں اور اسلام کے امیج کو تباہ کرنے کے لیے مغربی دانشوروں، ادیبوں، اور ذرائع ابلاغ نے اسلام کے تصورِ جہاد کی تشریح ہی غلط کی۔ دنیا کے جس کونے میں بھی دہشت گردی کا واقع ہوتا ہے بغیر تصدیق کیے کسی بھی مسلم تنظیم کے نام منسلک کر دیا جاتا ہے اگر مذہب کی تعلیمات کو صحیح انداز میں اجاگر کیا جائے تو بہت ساری غلط فہمیوں کا ازالہ ہو سکتا ہے۔ عالمی امن کا قیام اور معاشروں میں باہمی رواداری کی فضا، برداشت مکالمہ بین المذاہب کے مقاصد کے اولین مقاصد میں سے ہیں۔

مکالمہ بین المذاہب کی شرائط

کوئی بھی شخص، قوم یا ملک ایک دوسرے سے کٹ کر نہیں رہ سکتے۔ دنیا ایک گلوبل ویلیج بن چکی ہے۔ یہاں ہر قسم کے لوگ آباد ہیں جن کا تعلق مختلف مذاہب، علاقے، تہذیب و ثقافت، رنگ و نسل اور اقوام سے ہے۔ انسان فطرتاً سماج پسند ہے۔ اس لیے وہ معاشرے میں ملجل کر رہنا چاہتا ہے۔ سماج میں رہتے ہوئے اسے دوسروں کے ساتھ رابطہ، تعلق، میل ملاپ رکھنا پڑتا ہے۔ اس تعلق کو قائم رکھنے کے لیے حدود و قیود اور شرائط کا ہونا لازم ہے۔ مکالمہ بھی انسانیت کے مابین فاصلے کو کم کرنے کی طرف ایک قدم ہے۔ لہذا اس کے لیے بھی شرائط کا تعین کیا جا سکتا ہے۔

(1) مکالمہ بین المذاہب کی بنیادی شرط دیگر مذاہب کا احترام ہے۔ لڑائی جھگڑے اور ایک دوسرے کو بُرا کہنے سے پرہیز کیا جائے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿ وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ﴾[1]

﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾[2]

(2) انسانی شرف، بلندی، اور تکریم کو ملحوظ خاطر رکھا جائے۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

---

[1]۔ العنکوت 46:29

[2]۔ الانعام 108: 6

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ﴾[1]

"ہم نے بنی آدم کو عزت وتکریم دی۔"

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ﴾[2]

"ہم نے انسان کی نہایت احسن طریق سے تخلیق کی۔"

(3) پر امن بقائے باہمی کی فضا قائم کی جائے۔

(4) جان ومال کو تحفظ ہو۔

(5) مکالمہ میں شریک لوگوں کو ایمانداری اور خلوص کے ساتھ آگے بڑھنا چاہیے۔اعتماد کا فقدان نہیں ہونا چاہیے اور مکالمہ سے یہ بات ثابت نہ ہو کہ مکالمہ ہے بلکہ "یونٹی آف مین کائینڈ" ہو۔ مشہور سکالر احمد طلبی

> "As an integral part of the ecumenical movement and the Unity of Church"[3]"If infact , dialogue is connived , as new form of proselytism, a means of understanding convictions and bringing about defeat and surrender , sooner or late we shall find ourselves back in the same old situation as In the middle ages ,It will merely have been a change in tactics[(4)]"

اس نکتے کی بنیاد پر کوئی بھی یہ دریافت کر سکتا ہے کہ اسلام کا مشن کیا ہے ؟اس سے انکار نہیں کہ اسلام عالمگیر مذہب ہے۔اور مسلمان دیگر مذاہب کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے ہیں۔ لیکن مسلمانوں اور اہلِ کتاب کے درمیان دعوتی اسلوب کے حوالے سے واضح فرق پایا جاتا ہے۔ قرآن کریم کسی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کرتا اس کے برعکس مشنریز کا کردار دنیا کے سامنے ہے۔ مکالمہ بین المذاہب میں شریک لوگوں کو ایک دسرے کی حیثیت تسلیم کرنی چاہیے۔ مساوات انسانی کی فضا قائم ہو۔ایک دسرے کو کمتر نہ سمجھا جائے اور ایک دسرے سے سیکھنے کا جذبہ موجود ہو۔ مکالمہ میں شریک لوگوں کو اپنی روایات پر تنقیدی نظر رکھنی چاہیے۔ ناانصافی، مخصوص نظریات اور طے شدہ ایجنڈا سے پرہیز کیا جائے۔ فروعی اختلافات سے بچنے کی کوشش کی جائے۔ مثال

---

[1]۔ الاسراء 17:80

[2]۔ التین 04:95

[3] ۔See, Encounter Journal of International Prospective, Sep 1999, P. 191.

[4]۔Ibid. 192.

کے طور پر عیسائی اور مسلمان دونوں خدا کی عظمت کو تسلیم کرتے ہیں۔ اور بنی نوع انسان کی عظمت کا دعوی کرتے ہیں لیکن یسوع مسیح کی ذات کے حوالے سے اختلاف ہے۔

مکالمہ بین المذاہب کی راہ میں حائل رکاوٹیں

مکالمہ بین المذاہب کی راہ میں حائل کئی رکاوٹیں ہیں۔ سیاسی، معاشی، معاشرتی اور مذہبی حوالے سے کئی مسائل کا سامنا ہے۔ غالب قوتیں صرف اپنا ایجنڈا پورا کرنے کے لیے کمزور ممالک اور اقوام پر دباؤ ڈالتی ہیں اور ان کا مذہبی اور سماجی تشخص ختم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جس کی وجہ سے بے شمار مسائل جنم لیتے ہیں۔ معاشی مسائل کافی حد تک مکالمہ کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔ اگر ایک مذہب کے لوگوں کے پاس اتنے وسائل نہیں کہ وہ خود اپنے پیسے پر سفر کر کے جائے اور مکالمہ بین المذاہب کی کانفرنسز میں شرکت کر سکے تو وہ کیسے اپنا مدعا بیان کر سکے گا اس نے تو وہی بولنا ہے جو اس کو لکھ کر دیا جائے گا۔ اسی طرح مکالمہ بین المذاہب میں شرکت کرنے والے دوسرے مذہب کے حوالے سے علم نہیں رکھتے خاص طور پر اسلام کے حوالے سے جس کی وجہ سے مفید مکالمہ نہیں ہو پاتا۔ عیسائی مسلم دشمنی کی ایک طویل تاریخ ہے اور ماضی قریب کا نو آبادیاتی نظام بھی ایک پریشان کن صورتحال ہے موجودہ دور میں امریکہ اور دیگر مغربی طاقتیں مسلمانوں کے لیے سیاسی مسائل کھڑے کر رہی ہیں جس کی وجہ سے مسلمان سمجھتے ہیں کہ مکالمہ عیسائی مشن کا ایک نیا بھیس ہے کچھ عیسائیوں کا خیال ہے کہ مکالمہ ہمارے مشن کو کمزور کر رہا ہے اور اسلام کے بارے میں ان کی رائے یہ ہے کہ یہ لوگ بنیادی طور پر نہ تو اس بات کے خواہش مند ہیں اور نہ ہی اس قابل ہیں کہ اپنی گھسی پٹی بات سے ہٹ کر ہمدردانہ رویہ اور دوسرے لوگوں کے ساتھ دشمنی کا رویہ ترک کر کے سوچ سکیں۔ کچھ مسلمان اور عیسائی رہنما ایک دوسرے کے مذہب کو جھوٹا قرار دے رہے ہین۔ غلط فہمیوں، نا قابل بھروسہ، اور دشمنی کی لمبی تاریخ جاری رکھے ہوئے اپنے عقائد کے لوگوں میں پھیلا رہے ہیں۔ مذاہب کے مابین مکالمہ کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ ہے کہ ہر مذہب کے پیروکار خود کو سچا سمجھتے ہیں اور دوسرے مذاہب کے لوگوں سے بالاتر سمجھتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم ہی خدا کے پسندیدہ لوگ ہیں اور خدا کی ساری رحمت صرف ہمارے قریب کے لوگوں کے لیے مخصوص ہے۔ قرآن مجید یہود و نصاریٰ کی اس سوچ کی عکاسی یوں کرتا ہے:

> " اور (یہودی اور عیسائی) کہتے ہیں کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے سوا کوئی بہشت میں نہیں جائے گا۔"

اسلام کو بعض مغربی مفکرین خطرے کا نشان تصور کرتے ہیں البتہ مغرب میں کچھ دانشور آج بھی موجود ہیں

جو اسلام کو خطرہ تصور نہیں کرتے۔ جان ایل اسپوزیٹو کا شمار انہی دانشوروں میں ہوتا ہے انہوں نے تصادم کے مفروضے کو مسترد کر دیا وہ اسلام کو موجود دنیا یا اس نظام کے لیے خطرہ تصور نہیں کرتے ان کے خیال میں مسلم دنیا میں ایسی صلاحیت ہی نہیں پائی جاتی کہ وہ مغرب یا باقی دنیا کے لیے خطرہ بن سکے۔ مغرب اور اسلام کے درمیان مکالمہ اور گفتگو کی جو کوششیں ہو رہی ہیں ان کو جاری رہنا چاہیے۔ اسلام کو خطرہ سمجھنے کی بجائے مغرب کو چاہیے کہ اسے ایک چیلنج کے طور پر دیکھے۔

میڈیا جس طرح اسلام کے بارے میں تاثر پھیلا رہا ہے اس سلسلے میں یہ رپورٹ ملاحظہ ہو:

"In the press, contemptuous stereotypes and cartoons were not confined to the tabloids but in clouded the broadsheets across the political spectrum. If some of the political cartoons has featured a Jewish rather than a Muslim character, they undoubtedly would have been judge anti-Semitic. The danger in this is that a 'conceptual Muslim' will be fixed in the public mind as the 'conceptual Jew' was in the history ofanti-Semitism")1(

اس رپورٹ میں موجود مواد اور جن مسائل کی نشاندہی کی گئی ہے وہ برطانوی سماج کے لیے نئے نہیں ہیں یہ تو مغرب کے دماغ کی پیداوار ہے کہ ہر چیز کو توڑ مروڑ کر پیش کیا جاتا ہے اور اس کا غلط تاثر لیا جاتا ہے۔ موجودہ دور میں جرمنی میں اسلام سیاسی اور سماجی سطح پر پھیل رہا ہے جرمن تشخص میں میڈیا اہم کردار ادا کر رہا ہے مختلف برادریوں کے اندر میڈیا اسلام کے تاثر کو دھندلا کر پیش کر رہا ہے جیسے اسلام دوسروں کے لیے خطرہ اور دھمکی ہو حالانکہ اسلام وہاں اقلیتی مذہب ہے۔

"In respect to Islam, stereotypes still strengthen fears of radical Islam despite the fact that only a small minority among the over 2000 registered mosque associations in Germany identity with militant theologies") 2(

اسلام کی شناخت بطور "ناٹ جرمن" کے کی گئی ہے۔ کتنے ہی مسلمان حقیقت میں جرمنی کے

---

[1] See, The Challenge of Islam, Encounter in Interfaith Dialogue, P. 175.

[2] www.csis.org/europ/fm 990412.html Islam France and Germany

شہری ہیں یہاں تک کہ پیدائشی جرمن ہیں اعداد و شمار نیم شفاف ہیں لیکن یہ حقیقت ہے اسلام جرمنی میں تیزی سے پھیل رہا ہے۔ 2001 کے اعداد و شمار کے مطابق جرمنی میں مسلمانوں کی تعداد ۲۔۳ ملین ہے تاہم صرف دس فیصد کے پاس جرمن پاسپورٹ ہے۔[1]

جرمن چانسلر (2005 -1998) نے ترک مسلمانوں کے لیے دوہری شہریت کا ہونا لازم قرار دیا تھا اس طرح کے تاثر کو ان کا میڈیا ترویج دے رہا تھا کہ مہاجرین کا علیحدہ تشخص ہونا چاہیے۔[2]

"For centuries the lack of understanding between Islam and Christianity has been a barrier to hinder the process of understanding. The thickening malaise arising out of mistrust and misapprehension continues to confound the confusion and create difficulties in areas of perception and interfaith dialogue".[3]

"مغرب کے لوگوں کے ذہن میں یہ خیال ہے کہ اسلام اور جمہوریت ساتھ ساتھ نہیں چل سکتے اگرچہ بہت سی مسلم تنظیمیں اور گروہ جمہوریت کے لیے کام کر رہے ہیں۔ "ایپوزیٹو" وضاحت کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اسلام کا جو تصور ہے وہ ایک موحد کا تصور ہے اور مغرب نے اسی تصور کو خطرہ سمجھا ہے لیکن جہاں تک اسلام میں طرزِ حکومت کی بات ہے اس میں شخصی، موروثی، سوشلسٹ اور جمہوری ہر طرح کی حکومت موجود ہیں۔ کئی اسلامی ممالک میں شخصی حکومتوں کے خلاف جمہوری تحریکیں نبرد آزما ہیں اپنے تشخص کو برقرار رکھنے کے لیے فرد واحد ان تحریکوں کو کچلنے کے لیے اپنی پوری طاقتیں صرف کر دیتے ہیں۔"

"ایپوزیٹو" بیسویں صدی کے آخر میں الجیریا میں جو کچھ ہوا اس کی مثال دیتا ہے جس کے حکمران نے اپنی شخصی حکومت کو بچانے کے لیے جمہوری تحریک کو پوری طاقت کے ساتھ ختم کیا لیکن اب اسلامی دنیا میں جمہوریت پوری طاقت کے ساتھ پروان چڑھ رہی ہے "ایپوزیٹو" بالکل ٹھیک کہتا ہے کہ اب مغرب اور اسلام کے درمیان یہ جو جمہوری طرزِ حکومت کا اختلاف ہے یہ کم ہو گا۔

---

[1] www.uni_leipzig.dereligion/remid info-Zahlen.ht

[2] See, The Challenge of Islam, Encounter in Interfaith Dialogue, P. 177.

[3] Hussain, Iqbal. (2005). "Islam and Clash of Civilization" ,Meraj Printers Lahore, P. 24.

مغرب کا اسلام کے بارے میں جو تاثر ہے اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مغرب کے خیال کے مطابق مسلم اکثریتی ممالک میں اقلیتوں کے ساتھ روّیے مناسب نہیں اور برداشت کا رویہ نسبتاً کم ہے۔ مغرب کے نزدیک مسلم دنیامیں غیر مسلم تشخص ایک مسئلہ ہے۔ حالانکہ یہ بات درست نہیں کیونکہ پوری اسلامی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ جتنی مذہبی آزادی اسلامی حکومتوں میں دی گئی اتنی برداشت اور رواداری کا مظاہرہ دنیا کی کوئی قوم نہ کر سکی۔

تحقیق کے نتائج

بین المذاہب مکالمہ آج کے دور کی اہم ضرورت ہے اور قیامِ امن کے اولین اقدامات میں سے ہے۔ مناظرات، بحث ومباحثہ سے اجتناب کرنا اور باہمی متفقہ نکات پر مل بیٹھ کر مشترکہ مسائل کو حل کرنے میں ایک دوسرے کی مدد کرنا شامل ہے۔ آج مغرب کے دانشوروں اور علماء کے رویوں میں تبدیلی آرہی ہے۔ پیغمبر اسلام ﷺ سے متعلق مغرب کے پڑھے لکھے طبقہ کے رویے میں بہتری آرہی ہے۔ مسحیت کے ساتھ ساتھ دیگر مذاہب کے اہل علم لوگ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کا احترام کرتے ہیں۔ اسپوزیٹو، ڈوگلس پریٹ، کیرن آرم سٹرانگ، برنارڈلیوس اور منٹگمری واٹ وغیرہ کی تحریروں میں بات ملتی ہے کہ وہ پیغمبر اسلام ﷺ کا نام احترام سے لیتے ہیں۔